ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1, 2021

”موسموں کا عکس“ میں تاریخی اور ناسٹیجیائی عناصر

Historical and Nostalgic Elements in “Mosmon ka Akas”

Muhammad Riaz Abid, Abid Saleem

Abstract

Man can never forget his past; some of his recollections linger on in his heart which leaves indelible impressions on his personality. This nostalgic attitude of man has deeply influence even literature. Even the Masterpieces of great authors contain historical and nostalgic elements. This nostalgic nature of man has not only influence novel, fiction, and poetry but even the travelogue too. The travelogue of Jamil Zubairi, "MOSMON KA AKAS" is its best example in this regard. Although Jamil Zubairi excelled for in the life race after coming to Pakistan but he never got rid himself of his childhood memories. When he happened to visit the same place again right after 35 to 40 years where he had spent his childhood, most of his past memories became fresh in his mind. This travelogue is the best anthology of his past recollections.

Key Words

Past, Nostalgia, History, Historical Consciousness, Literature, Travelogue

تاریخ انسان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں انسان کے ماضی کی یادیں اور سرگرمیاں قید ہوتی ہیں۔ یہ انسانی زندگی کا مستند بیانیہ ہوتا ہے۔ تاریخ گزرے ہوئے زمانے کا آئینہ ہوتی ہے۔ انسان کسی نہ کسی صورت اپنے ماضی سے جڑا رہتا ہے اور اُسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اکثر اوقات ماضی کی یادوں کے نقوش اِس قدر پختہ ہوتے ہیں کہ وقت بھی اُنہیں دھندلا نہیں سکتا۔ ایسے لوگ رفتہ رفتہ ناسٹیلجیا کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ ناسٹیلجیا کسے کہتے ہیں۔

"Nostos جس کا مطلب ہے واپس گھر کی جانب لوٹنا اور Algia جس کا مطلب ہے کرب یا درد جو کہ ایک شخص (جو ذہنی طور پر مایوس ہو) کے احساسات کی جانب

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1, 2021

اشارہ کرتی ہے جو اپنی آبائی سرزمین کی جانب واپس لوٹنا چاہتا ہے مگر دلی طور پر اس
خدشے یا واہمے کا شکار ہے کہ شاید اسے وہ سرزمین دوبارہ نصیب نہ ہو سکے۔(1)

ناسٹیلجیا کا تعلق انسان کے ماضی سے ہے جس سے وہ کسی نہ کسی صورت جڑا رہتا ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو ماضی سے قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ ہر انسان کو اپنے حال بے پناہ محبت ہوتی ہے جو رفتہ رفتہ ماضی میں بدل جاتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بظاہر تو حال میں آجاتے لیکن اُن کا ذہن ماضی کی یادوں میں اٹکا رہ جاتا ہے۔ وہ حال کے بدلتے ہوئے رویوں، رسم ورواج کو قبول نہیں کر پاتا اور ماضی کی یادوں میں سکون اور کشش محسوس کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اُس کے ماضی سے کوئی تلخ یاد یا ناخوشگوار واقعہ جُڑا ہوا نہیں ہے لیکن چونکہ وہ اُس تکلیف سے گزر چکا ہوتا ہے اس لیے وہ محسوس کرتا ہے کہ موجودہ زندگی ماضی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

وہ جہاں بھی بیٹھتا ہے اپنے ماضی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ناسٹیلجیا کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس ماضی پرستی نے ادب پر بھی بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ نامور ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات میں تاریخی اور ناسٹیلجیائی عناصر موجود ہیں۔ انتظار حسین جیسا بڑا ناول نگار اپنے ناولوں میں جگہ جگہ ناسٹیلجیا کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ ناصر کاظمی کا حال بھی اس کے مختلف نہیں ہے اُن کی شاعری پر بھی تاریخ، ماضی اور ناسٹیلجیا کے گہرے نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ اس ماضی پرستی نے جہاں ناول، افسانہ اور شاعری پر اپنے دور رس اثرات مرتب وہاں سفر نامہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جمیل زبیری کا سفر نامہ "موسموں کا عکس" اس کی بڑی عمدہ مثال ہے۔

جمیل زبیری کا سفر نامہ "موسموں کا عکس" ہندوستان کا سفر نامہ ہے۔ جمیل زبیری نے قیام پاکستان کے وقت ہجرت کی اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئے اُنہیں ہندوستان چھوڑے 35 سال کا عرصہ ہو چکا تھا لیکن وہ شہر وہ گلیاں و بازار آج بھی اُنہیں پکارتے تھے اور ان سے جڑی ہوئی یادیں آج بھی اُن کے دل میں تازہ تھیں۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جس سے اُنہیں دوبارہ وہاں جانے کا موقع مل سکے۔ آخر جمیل زبیری کو ایک ادبی نشست میں شرکت کے لیے ہندوستان جانے کا موقع مل گیا جس سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اپنے قیام کے دوران نہ صرف بڑے ادیبوں کے ساتھ ملاقاتیں اور تبادلہ خیال کیا بلکہ اُن مقامات کو دیکھنے کے لیے بھی گئے جن کو دیکھنے کے لیے ایک مدت سے اُن کا دل مچل رہا تھا۔ اُن کا یہ سفر نامہ دراصل ماضی کی یادیں ہیں جن کو انہوں نے حال میں قلمبند کیا ہے۔ اُن کے اندر اُن گلی کوچوں کو دیکھنے کی خواہش کیسے پروان چڑھتی رہی اُس کا ذکر انہوں نے سفر نامے کے آغاز میں ہی کیا ہے نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

''شام کے سائے لمبے ہو گئے ہیں زندگی کے سفر میں کافی دور نکل آیا ہوں لیکن بچپن کی یادوں نے کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو میرے اندر چھپا ہوا بچہ باہر آکر مجھے اُسی طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہے جہاں وہ گلیوں میں کھیلا کودا کرتا تھا۔۔۔۔ پینتیس، چالیس سال گزر جانے کے باوجود اس بچے نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا آخر مجھے اس کے سامنے ہار ماننا پڑی۔'' (2)

جمیل زبیری کا ایک سفر نامہ ''دھوپ کنارا'' کے نام سے پہلے چھپ چکا تھا۔ جس کی کچھ کاپیاں وہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے جو وہاں ہندوستانی ادیبوں میں تقسیم کیں۔ اس سفر کے دوران اگرچہ جمیل زبیری بہت سارے لوگوں سے ملے لیکن اُن کا زیادہ تر قیام جو گندر پال کے ہاں رہا۔ وہاں پہنچ کر پولیس اسٹیشن میں رجسٹریشن کروانے میں بھی پال نے اُن کی مدد کی وہاں سے فارغ ہونے کے بعد اُن کی پہلی ملاقات خلیق انجم سے ہوئی جو کافی خوشگوار رہی۔ سفر نامے کا زیادہ تر حصہ ادیبوں سے ملاقاتوں اور دیگر ادبی سرگرمیوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ جہاں کہیں اُنہیں تھوڑی فرصت میسر آتی ہے وہ اُن احباب اور مقامات کی طرف نکل جاتے ہیں جن سے اُن کی پرانی یادیں وابستہ ہیں اس حوالے سے مختار زمن اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' جمیل صاحب نے آج کے ہندوستان کی صورتحال اور معاشرے پر کوئی سیر حاصل تبصرہ نہیں کیا اُن کے موٹے قلم سے کہیں کہیں جو بلیغ اشارے کیے ہیں وہ واضح تصویروں کو صحیح اور متوازن پس منظر میں پیش کرتے ہیں۔ اُن کے سابق وطن مارہرہ کا ذکر کتاب کا بڑا موثر حصہ ہے۔ یہ یادوں کے سیلاب، تاریخ کی نیرنگیوں اور جذبات کی بو قلمونیوں کی آمیزش و آویزش کا ذکر ہے۔ میں کیا عرض کروں۔ خود پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ یہ تحریر اس لحاظ سے بھی ادبی سفر نامہ ہے کہ اس کے مرکزی کردار زیادہ تر ادیب و فن کار ہیں کیسے کیسے اچھے لکھنے والے اور والیان سرحد پار، اُردو کی شمع کو حلقہ کیے بیٹھے ہیں۔''
(3)

قطب مینار دیکھنے گئے تو اُس کی تفصیل بیان کرنے لگ گئے پھر ایک ستون کا ذکر بھی کیا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ لوگ اُس سے اپنی قوت مردانہ جانچتے ہیں اور یہ سب مصنف نے وہاں ہوتے ہوئے دیکھا بھی۔ دہلی کی معاشرتی زندگی کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں کہ لوگ کفایت شعار ہیں اور بہت سارا زرمبادلہ بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کی قوت خرید کم ہے لیکن اب آہستہ آہستہ نئی نئی عمارتیں بن رہی ہیں جس سے جدت کا احساس ہونے لگا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1, 2021

اگرچہ سڑکوں کے نام انگریزی اور ہندی کے علاوہ اُردو میں بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن اُردو لکھ کر جیسے بس اُردو پر احسان کیا گیا ہو۔ زبیری صاحب نے وہاں کے رکشاؤں کے نظام کی بڑی تعریف کی ہے۔ نئی دہلی کی نسبت پرانی دہلی میں رش زیادہ ہے سائیکل رکشہ وہاں کی عام سواری ہے جسے پر کوئی آسانی سے اپنے لیے حاصل کر سکتا ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ کم پیسوں میں انسان اپنا روزگار آسانی سے چلا سکتا ہے۔ لوگوں کو جب اور کوئی معقول روزگار نہیں ملتا تو وہ ایک سائیکل رکشہ خریدتے ہیں اور کام پہ لگ جاتے ہیں۔ پرانی دہلی میں بھیڑ بھاڑ ہونے کی وجہ سے غلاظت اور گندگی بھی زیادہ ہے۔ لیکن اچھی بات یہ ہے کہ عوام کے لیے بازار میں پینے کے پانی اور رفع حاجت کے لیے پیشاب گھر بنائے گئے ہیں۔ مصنف نے ہندوستان میں عورتوں کی آزادی کی بھی بڑی تعریف کی ہے کہ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں اور انہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ ان خواتین میں بلا کی خود اعتمادی ہے۔ جمیل زبیری نے جنتر منتر کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے جس سے سیاروں کے بارے میں درست معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں سنسکرت میں ویدھ شالا رسد گاہ کو کہتے ہیں لیکن اسی ویدھ شالا کو اب جنتر منتر کے نام سے جانا جاتا ہے جسے جے سنگھ نے تعمیر کروایا تھا۔

جمیل زبیری نے بہت سے ادیبوں سے ملاقاتیں کیں اور کچھ نے اُن کو اپنے گھر پر دعوت پر بھی مدعو کیا جن میں سے ایک نام ہاجرہ مشکور کا بھی ہے۔ اس کے علاوہ مظہر امام، حفیظ اللہ نول، زاہدہ حنا، صلاح الدین پرویز، احمد ہمیش، سلیم احمد، بلراج کومل، ڈاکٹر یعقوب عامر، ڈاکٹر فہمیدہ سے ملاقات اور گفتگو کا احوال بھی درج کیا ہے۔ غالب کی قبر پر جا کر انہیں نہایت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ اتنے بڑے شاعر کی قبر کے اوپر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ قریب ہی خواجہ نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کے مزارات ہیں اور وہ بھی انتہائی خستہ حالت میں ہیں۔ غالب کی قبر کو بھی مشہور فلم ڈائریکٹر سہراب مودی نے سنگ مرمر کا بنوایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ غالب کے پرستاروں میں شمار ہوتے ہیں یا انہیں اُردو ادب سے بڑی رغبت ہے بلکہ اصل میں انہوں نے غالب کی قبر اپنی ایک فلم میں دکھانی تھی اس لیے ایسا کرنا پڑا۔ انہوں نے غالب کی قبر اور اطراف کے ماحول کا ذکر بڑے پر درد انداز میں کیا ہے ملاحظہ کیجیے۔

> ''غالب کی قبر کے عقب میں مرزا کوکل تاش اور جی جی انگا اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کی قبریں ہیں۔ اسے چونسٹھ کھمبا بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس عمارت کی لمبی چوڑی چھت چونسٹھ کھمبوں پر تعمیر کی گئی ہے۔ شائد اس علاقے کی دیکھ بھال ہندوستان کا محکمہ آثار قدیمہ بھی نہیں کرتا۔ یہ تمام علاقہ بیرونی علاقے سے بھی زیادہ گندا ہے۔ گرمی سے بچنے اور آرام کرنے کے لیے اطراف میں رہنے والے لوگ ان قبروں پر بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں۔ تاش کھیلتے ہیں اور ان کے بچے دیواروں کے سہارے گولیاں کھیلتے ہیں اور وہیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1, 2021

پیشاب بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے پورے علاقے میں تعفن پھیلا رہتا ہے۔"
(4)

جمیل زبیری نے ہندوستان کے تھیٹر اور سٹیج کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ بڑی ترقی پر ہیں اور لوگ بھی دیکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی فلم انڈسٹری اپنے عروج پر ہے اور تقریباً تمام فلمیں اور گانے سمگل ہو کر پاکستان آجاتے ہیں۔ وہاں سنسر بورڈ اتنا سخت نہیں ہے اور بہت سارے اخلاق باختہ منظر آزادی سے دکھائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں وی سی آر کی بحطاط ہے اور ہندوستانی فلمیں عام دیکھی جاتی ہیں جو پاکستانی بچوں اور نوجوانوں کو تباہ کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ جمیل زبیری کی ملاقات ممنون حسین سے بھی ہوئی جو سر مسعود راس کے قریبی دوستوں میں سے ہیں اور اُنہیں علامہ اقبال کے قریب رہنے کا بھی موقع ملا۔ ممنون حسین کو علامہ اقبال سے سر مسعود راس نے متعارف کروایا تھا۔ ممنون حسین کی نواب حمید اللہ، امرت کور، مہاتما گاندھی، نواب بھوپال، رابندر ناتھ ٹیگور سے لوگوں سے بھی ملاقاتیں رہی ہیں۔ جمیل زبیری نے ممنون حسین کی زبانی علامہ اقبال سے ملاقات کا واقع بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

> "ممنون حسین کا کہنا ہے کہ انہیں زندگی میں سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوئی جب سر راس مسعود نے علامہ اقبال سے ان کا تعارف کرایا اور علامہ ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور سب سے زیادہ تکلیف دہ وہ گھڑی تھی جبکہ علی گڑھ کالج کی مسجد میں انہوں نے سر راس مسعود کے جسم خاکی کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اُتارا تھا۔ سرہانے کی طرف انور مسعود اور پاؤں کی طرف وہ تھے۔" (5)

جمیل زبیری کی زندگی کا کافی عرصہ ہندوستان میں گزرا اس لیے ہر اک چیز کے ساتھ اُن کی یادیں وابستہ ہیں اُن کی نظر جیسے ہی کسی پرانی تاریخی عمارت پر پڑتی ہے تو اُس کے ساتھ جڑی سینکڑوں یادیں کسی فلم کی طرح اُن کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگتی ہیں اور وہ ایک دفعہ اپنے ماضی میں واپس چلے جاتے ہیں جہاں سے 35 ,40 برس پہلے وہ آئے تھے اُن کی نظر جیسے ہی بھوپال کے نوابین کے محلوں پر پڑتی ہے تو تحریک آزادی کی پوری تحریک کی یادیں اُن کے دل و دماغ پر حاوی ہونے لگتی ہیں جنھیں زبیری صاحب نے اختصار کے ساتھ 3 صفحات میں بیان کیا ہے۔ مصنف جب آگرہ پہنچتا ہے تو بھی اُس کے ساتھ یہی ہوتا ہے کیونکہ آگرہ میں جانسن کالج میں مصنف زیر تعلیم رہا اور دوستوں کے ساتھ باہر آنا جانا گپ شپ سب کچھ مصنف کو اپنی پوری جزئیات کے ساتھ یاد آنے لگا۔ مصنف کو اپنے تمام دوستوں کے نام یاد تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ کون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ انہوں نے اپنے شفیق اساتذہ کا بھی تذکرہ کیا ہے خاص طور پر پروفیسر حامد حسن قادری جنہوں نے اُردو پڑھائی نہیں سکھائی تھی۔ اپنا ہوسٹل اور

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1, 2021

اُس سے جڑے کئی واقعات بھی یاد آئے۔ آگرہ کو دیکھ کر اُن کا دل دُکھا کہ آگرہ کی وہ خوبصورتی بڑھتی ہوئی آبادی میں ماند پڑ گئی ہے۔ یعنی جیسے جیسے وقت گزرتا ہے وہ ہر ایک چیز کو نہ صرف ماضی بلکہ تاریخ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ آگرہ کی خوبصورتی بھی اب تاریخ کا حصہ بن چکی تھی جسے اب واپس نہیں لایا جا سکتا تھا۔

جمیل زبیری کی ملاقات بریجندر سیال سے بھی ہوئی جس نے پتھروں کو جوڑ کر غالب کے بولتے اشعار کی شکل دے دی ہے۔ مصنف نے سیال کی مدد سے ان مجسموں کی چند تصاویر بھی لیں جو اُن کے سفر نامے میں شائع ہوئی ہیں۔ اس سفر میں مصنف کو چوٹ بھی لگی۔

سفر نامے کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جب مصنف اپنے آبائی گاؤں کو دیکھنے کے لیے جاتا ہے سب سے پہلی تبدیلی مصنف کے نزدیک تہذیب کی تھی کہ اب وہاں پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں پتلون اور بشرٹ پہننے لگے تھے۔ مصنف جب رکشہ لے کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوتا ہے تو ایک دفعہ پھر ماضی کی تمام یادیں اُسے آنے لگتی ہیں لیکن راستہ اس قدر تبدیل ہو چکا ہے کہ آنا جانا لگ رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی مصنف کو ایک سفر یاد آ گیا جو مصنف نے اس راستے پر اپنے نانا کے ساتھ کیا تھا۔ اس سفر میں مصنف آرام کے لیے مسجد میں گیا تو بھڑوں سے اُسے کاٹ لیا۔ جب مصنف کار کشہ نہر کے پل پر سے گزرا تو وہ سارے دوست یاد آئے جن کے ساتھ مصنف نہر میں نہایا کرتے تھے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

> ''میرے بچپن کے ساتھی پائنچے اوپر چڑھائے نہر کے کنارے پانی میں کھڑے ہیں یہ عارف کھڑا پانی میں سے اٹھا اٹھا کر آم چوس رہا ہے۔ اس کے برابر ظفر عمر کھڑا ہے۔ جواہر ہے، صغیر ہے، عزیز ہے، اظہار ہے، دور خالہ اور گوہر پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھے ہیں۔ نہر میں آم پڑے ٹھنڈے ہو رہے ہیں آم چوس چوس کر گھٹلیاں ایک دوسرے کے مار رہے ہیں۔ اب شام ہو گئی ہے۔ سورج غروب ہونے والا ہے۔ ہم لوگ کھیلتے کودتے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔ ہر فکر سے آزاد نہ غم دوروں نہ غم جاناں۔'' (6)

35, 40 سال گزر جانے کے بعد بھی مصنف کو پرانے واقعات اپنی پوری جزئیات کے ساتھ یاد ہیں اور مصنف کی یاد ایسی پختہ ہے کہ جب وہ واقعہ بیان کرتا ہے تو پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سب کچھ اپنے سامنے ہی دیکھ رہا ہے۔ اتنے طویل عرصے بعد باتیں اس طرح یاد رکھنا مشکل ہے۔ جمیل زبیری چونکہ افسانہ نگار ہیں اس لیے شائد ایسے واقعات کو بیان کرنا اُن کے لیے زیادہ آسان ہے۔ لیکن وہ سفر نامہ لکھتے وقت اس بات کا اچھی طرح خیال رکھتے ہیں اور سفر نامے کو افسانہ نہیں بننے دیتے۔ وہ واقعات اور کرداروں کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں رکھتے ہیں اور اپنے ماضی کے واقعے کو مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

جمیل زبیری کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ جزئیات نگاری پر بھی مکمل عبور رکھتے ہیں تو شائد غلط نہ ہوگا۔ وہ جو واقعہ بیان کرتے ہیں وہ سفر نامے کا ہی حصہ ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں لگتا کہ سفر نامے پر افسانے کا رنگ غالب ہے۔ مشفق خواجہ اس سفر نامے کا دیباچہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

> ''جمیل زبیری افسانہ نگار بھی ہیں اور سفر نگار بھی۔ لیکن انہوں نے اپنی افسانہ نگاری کو اپنے سفر ناموں پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ سفر نامہ لکھتے ہوئے کہیں کہیں انداز بیان کی حد تک اُن کے اندر کا افسانہ نگار ضرور جاگتا ہے لیکن ''بیان واقعہ'' میں وہ افسانہ نگاری کی تکنیک سے کام نہیں لیتے۔'' (7)

مصنف گاؤں میں اپنی رشتے کی ایک نانی کے ہاں ٹھہرا اور پھر وہاں سے کچھ لوگوں کے ساتھ اپنا وہ گھر دیکھنے گیا جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ وہاں جا کر ایک دفعہ پھر مصنف اپنے ماضی میں چلا جاتا ہے جب وہ چھوٹا سا تھا اور اپنی ماں کی گود سے نکل کر اپنے نانا اور نانی کے پاس بھاگ جایا کرتا تھا۔ مصنف نے گاؤں میں اپنے دیگر عزیز و اقارب کے گھر بھی دیکھے جو اب بوسیدہ ہو چکے تھے۔ وہ سکول بھی گیا جو اسی گاؤں میں تھا جہاں سے جمیل زبیری نے سا پنی تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ خلیق انجم کے ساتھ ملاقات میں ہندوستان میں اُردو زبان کے مستقبل پر بات ہوئی۔ جہاں جمیل زبیری کو اُردو کا مستقبل تاریک نظر کر رہا ہے کیونکہ ہندوستان میں اُردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ دہلی اور بھوپال کے بہت بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں سے جمیل زبیری کی ملاقات ہوئی جن کا ذکر سفر نامے میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ مصنف نے ہر بات اور واقعہ کو بیان کرنے میں بڑی سادہ زبان استعمال کی ہے جن سے سفر نامے کے حسن میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کسی سے چند لمحوں کی ملاقات کو بھی مصنف نے فراموش نہیں کیا اور سیدھے سادھے انداز میں اُس ملاقات کا احوال بھی اپنے سفر نامے میں بیان کر دیا ہے۔ خالد محمود سفر نامے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''موسموں کا عکس حیرت و استعجاب اور یاس و حسرت کے جذبات اور مرت آمیز کیفیات کا عکس ہے اس سفر نامے میں جمیل زبیری ایک سچے اور پر خلوص مسافر کی طرح قدم قدم پر دردمندی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ جمیل زبیری، انتظار حسین کی طرح ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے متلاشی بھی ہیں جس میں ان کا بچپن گزرا تھا۔ مگر اب وہ تہذیب انہیں بھی کہیں نظر نہیں آتی۔'' (8)

جمیل زبیری کا یہ سفر ایک کامیاب سفر تھا جس میں اُن کی ملاقات بہت سارے نامور ادیبوں اور شاعروں سے ہوئی۔اس سفر میں اُن وہ دیرنیہ خواہش بھی پوری ہوئی جو اُن کے دل میں کئی سالوں سے پرورش پا رہی تھی۔ یہ سفرنامہ تکنیک اور موضوع کے اعتبار سے اُردو سفرنامے کی روایت میں خوبصورت اضافہ ہے۔

Reference Books

1. Ashraf Maseeh, "**Urdu Novel Main Nostalgia 47 kay bad**" (Unpublished) Repository, Library University of Education Lower Mall Campus, Lahore. Session 2006-2008
2. Jamil Zubari, "**Mosmon ka Akas**" Bukhtiyar Acadamy, 49-A/3 Gulshan-a-Iqbal, Karachi, ء1984, page no.12
3. Mukhtar Zaman, **Back Flap cover** "**Mosmon ka Akas**" by Jamil Zubari Bukhtiyar Acadamy, 49-A/3 Gulshan-a-Iqbal, Karachi, ء1984.
4. Jamil Zubari, "**Mosmon ka Akas**" Bukhtiyar Acadamy, 49-A/3 Gulshan-a-Iqbal, Karachi, ء1984, page no.57
5. Same page no.76
6. Same page no.111
7. Mushafak Khawaja, **Preface "Mosmon ka Akas**" " Bukhtiyar Acadamy, 49-A/3 Gulshan-a-Iqbal, Karachi, ء1984, page no.10
8. Khalid Mehmood, "**Urdu Safarnamon ka Tankedi Mutala**" Maktba Jamia Dehli with the sharing of National Council for promotion of urdu, New Dehli, ء2011, page no.303